اور خدا سے دست بدعا ہوں کہ خداوند تعالیٰ ان کی قربانیوں کو درجۂ مقبولیت عطا فرمائے آمین، میں اپنے اس پیام میں یہ بھی عرض کرتی ہوں کہ میرے پیارے شوہر کا جسد تھانہ صوات، ضلع پشاور کی خاک سے تیار ہوا ہے۔ ان کے رگ و ریشہ میں افغانی خون دوڑ رہا ہے اور یہ اس قدر گرم موج زن خون ہے جس کو پھانسی کی رسّی اور جیل کی تاریک کوٹھری بھی ہرگز ٹھنڈا نہیں کرسکتی، مجھے اپنے شوہر پر ناز ہے اور بجا طور پر ہے، خدا کرے کہ اسی سرفروشِ اسلام کی مثال برادرانِ وانمباڑی اور قائم کریں، میں صوبۂ سرحدی کے مسلمانوں سے عموماً اور برادرانِ تھانہ صوات سے خصوصاً یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کے بھائی (مولانا ابوالمعارف حکیم محمد فضل الرحمٰن فہیم تھانوی صواتی) نے جن کی زوجیت کا فخر مجھے حاصل ہے مجھ سے بار بار یہ کہا ہے کہ جب تک صوبہ سرحدی کے باشندے اور اہالیانِ صوات ترکِ موالات کے اصول پر عمل پیرا نہ ہوں گے، ہم کو کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے میں بادب التماس کرتی ہوں کہ اے اہالیِ صوات و اے باشندگانِ صوبۂ سرحد آپ اپنی جد وجہد کو زور کے ساتھ جاری رکھئے" ملک کی فتح آپ کے ہاتھ میں ہے آپ جس قدر کوشش کریں گے اسی قدر جلد ہماری کامیابی ہوگی، میں اسی موقعہ پر اپنے شوہر کے سیاسی عقائد بھی بتادینا چاہتی ہوں، وہ سیاسی عقائد میں مولانا حسرت موہانی کے ہم خیال تھے لیکن کانگریس کے اصول کو بھی تسلیم کرچکے تھے اور بہ بانگِ دہل کہہ رہے تھے کہ جب تک مولانا حسرت موہانی کے اصول پر ہندوستان عمل پیرا نہ ہوجائے فتح کما ینبغی حاصل نہیں ہوسکتی ہے، اس عقیدہ کے ساتھ ساتھ کانگریس کے اصول کے اس قدر پابند تھے کہ انھوں نے کبھی تشدد نہیں کیا اور عدم تشدد کا وعظ ہمیشہ کیا کرتے تھے، خدا اُن کو صبر واستقلال عطا فرمائے آمین۔" (رحمت النساء بیگم

از گوبند پور، وانمباڑی

حکیم صاحب قبلہ اگست ۱۹۳۵ء میں حیدرآباد دکن چلے آئے، جون ۱۹۴۲ء تک قیام رہا۔ ان دنوں حیدرآباد میں "اتحاد المسلمین" بہت زوروں پر تھی، نواب بہادر یار جنگ اس کے صدر تھے، انجمن افاغنہ کے نام سے افغانوں کی ایک انجمن تھی اِس کی صدارت کے فرائض بھی نواب صاحب موصوف کے ذمہ ہی تھے اور نائب صدر مولوی عبدالخالق صاحب تھے ان سے وہاں کے افغان

ناخوش تھے اس لئے نائب صدر کے عہدے کے لئے حکیم صاحب کا نام پیش کیا گیا اور تمام افغانوں نے تائید کی چنانچہ حکیم صاحب باتفاق آراء انجمن افاغنہ کے نائب صدر بن گئے، حکیم صاحب کی غیر معمولی صلاحیتوں اور جوشِ عمل کو دیکھ کر نواب بہادر یار جنگ نے ان کو "اتحاد المسلمین" میں شرکت کی دعوت دی مگر حکیم صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ "اتحاد المسلمین" "مسلم لیگ" کا بچہ ہے، اور میں مسلم لیگ کے نظریئے کا مخالف ہوں، بہادر یار جنگ نے بڑے بڑے عہدوں کا لالچ بھی دیا مگر حکیم صاحب نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ اپنا عہدہ یعنی صدارت بھی میرے لئے تفویض کر دیں تو بھی مجھے منظور نہیں، اس پیش کش کو ٹھکرا دینے کی وجہ سے بہادر یار جنگ کو حکیم صاحب سے کد پیدا ہو گئی لیکن حیدر آباد کے تمام افغان چونکہ حکیم صاحب کی تائید میں تھے اس لئے مجبور تھے، ایک دفعہ سیرت کے کسی جلسے میں نواب بہادر یار جنگ نے اپنی تقریر میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی پر لعن طعن شروع کی اور ڈاکٹر اقبال کا یہ قطعہ دُہرایا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ — زدیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست

سرود برسرِ ممبر کہ ملّت از وطن است — چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی است

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

یہ سُن کر حکیم صاحب کو سخت غصہ آیا کہ سیرت کے جلسے میں یہ لعن طعن اور وہ بھی ایک مقدس ہستی پر اس وقت تو خیر انھوں نے کچھ نہیں کہا لیکن دوسرے روز بہادر یار جنگ کو خط لکھا کہ آپ نے ناحق سیرت کے جلسے میں مولانا حسین احمد مدنی کو ہدفِ ملامت بنایا اور وہ بھی بجا نہیں تھی، کیوں کہ خود علامہ اقبال نے حضرت مولانا سے معافی مانگ لی ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کا وہ معافی نامہ ۵ر مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبار "مدینہ بجنور" کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، اس کے باوجود آپ نے علامہ کے وہ شعر دہرائے مگر شاید آپ کو اقبال احمد صاحب سہیل کے وہ اشعار یاد نہیں جو اس کے جواب میں لکھے گئے تھے اگر یاد نہ ہوں تو لیجئے غور سے پڑھ لیجئے ؎

کسے کہ خوردہ گرفتست بر حسین احمد — زبانِ او عجمی و کلام در عربی است

کہ گفت برسرِ ممبر کہ ملت از وطن است؟ — دروغ گوئی و ایرادِ ایں چہ بوالعجبیست

درست گفت محدث کہ قوم از وطن است　　کہ مستفاد ز فرمودۂ خدا دنی ست
زبانِ طعن کشادی مگر نہ دانستی　　کہ فرقِ ملت و قوم از لطائفِ ادبی است
تفاوتیست فراواں میانِ ملت و قوم　　یکے ز کیش دگر کشوریست یا نسبی است
خدائے گفت بقرآں لکل قوم ھاد　　مگر بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی است
بقومِ خویش خطابِ پیمبراں بنگر　　پر از حکایت یا قوم مصحفِ عربی است
رموزِ حکمتِ ایماں ز فلسفی جستن　　تلاشِ لذتِ عرفاں ز بادۂ عنبی است
بدیوبند گر اگر نجات می طلبی　　کہ دیوِ نفس سلحشور و دانش تو صبی ست
بگیر راہِ حسین احمد ار خدا خواہی　　کہ نائب است نبی را و ہم ز آلِ نبی است

بہادر یار جنگ نے جب یہ نظم اور خط پڑھ لیا تو سخت غضبناک اور آتش زیر پا ہو گئے، اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ یہ شخص (حکیم صاحب کی طرف اشارہ تھا) واجب القتل ہے، یہ سنتے ہی ان کے عبد الحلیم خاں نامی اردلی نے جو کہ ہمیشہ ان کے ساتھ تلوار لئے گھوما کرتا تھا میان سے تلوار نکال لی اور کہا کہ یہ تلوار اس کا خاتمہ کر دے گی، چنانچہ وہ شخص تین مرتبہ مع تلوار کے حکیم صاحب کے مطب کے سامنے پہنچا، چونکہ حکیم صاحب کے پاس اور لوگ بیٹھے رہتے تھے اس لئے جرأت نہ کر سکا ورنہ اس کے ارادے نیک نہیں تھے، جب کانگریس کمیٹی کے صدر جناب ترمذی صاحب کو خاص طور پر اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے حکیم صاحب کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ آپ کے اور بہادر یار جنگ صاحب کے درمیان کیا نوک جھونک ہوئی ہے حکیم صاحب نے ساری سرگزشت بیان کی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ یہاں مت رہئے آپ کے قتل کے منصوبے بنے ہیں، بہتر ہوگا کہ آپ حیدرآباد چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں، حکیم صاحب نے کہہ دیا کہ مجھے کوئی خوف نہیں ہے میں تو اسی گھڑی کا منتظر ہوں جہادوں میں شریک رہا مگر شہادت نصیب نہیں ہوئی، ملک کے اندر زبانی جہاد میں کافی وقت ضائع کیا مگر شرفِ شہادت سے محروم رہا اب اگر خدا اس شرف سے سرفراز فرما رہا ہے تو مقامِ شکر ہے، موت تو بہر حال برحق ہے لیکن اگر شہادت کی موت نصیب ہو جائے تو پھر کیا کہنے اللہ کا بڑا فضل اور احسان ہو گا۔

ترمذی صاحب نے بہت کچھ سمجھایا مگر حکیم صاحب نے ایک نہ سنی اور اپنے ارادے پر اٹل رہے، مگر قدرت کو کچھ اور ہی

منظور تھا جب حکیم صاحب دواخانے پہنچے تو وہاں مدراس سے صاحبزادی کا خط آیا ہوا تھا، لکھا تھا کہ کئی دن سے سخت علیل ہوں بہت سارا علاج کرایا مگر بے سود، آپ فوراً تشریف لاکر میرا علاج کیجیے، یہ خط پڑھ کر حکیم صاحب سخت پریشان ہو گئے اور عجیب کشمکش کے عالم میں مبتلا ہو گئے، آخر کار صاجزادی کی محبت نے آپ کے ارادوں کو متزلزل کر دیا اور مجبوراً آپ سارے عملہ کو لے کر عازم مدراس ہوئے اور ۱۴؍جون ۱۹۴۲ء کو مدراس پہنچے کم و بیش چار ہفتے وہاں مقیم رہے اور صاجزادی کے علاج سے فارغ ہو کر آمبور چلے گئے اور وہیں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو گئے، اس وقت سے آج تک آمبور ہی میں مقیم ہیں۔

حال ہی میں گورنمنٹ کی طرف سے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں ردو بدل کرنے کے لئے جو کمیٹی قائم کی گئی تھی اس کی مخالفت میں آپ کمربستہ ہو گئے کیوں کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں بھی دخل دے، آپ فرما رہے ہیں کہ جب تک حکومت اپنے ارادے سے باز نہیں آجائے گی میں چین سے نہیں بیٹھوں گا، اس سلسلے میں مجھے جیل ہی جانا کیوں نہ پڑے، چنانچہ ہر جگہ اپنے خیالات کا علانیہ طور پر اظہار کرتے پھر رہے تھے، لیکن خدا کا فضل ہو گیا کہ حکومت اپنے ارادے سے باز آگئی، اور حکیم صاحب کو اطمینانِ قلب نصیب ہوا۔ یہ ہے سچے قومی اور ملکی خدمت گذاروں کا شیوہ اور طرزِ عمل۔

حضرت حکیم صاحب اس قدر سرگرم سیاسی کارکن ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی کامیاب اور حاذق طبیب بھی ہیں، حکیم صاحب اس سیاسی خلفشار اور بحران کے زمانے میں بھی برابر مطب کیا کرتے تھے جیسا کہ مضمون میں کئی جگہ ذکر آیا ہے اور آج کل تو آپ کا سارا وقت اسی حکمت کی نذر ہو جاتا ہے۔

حکیم صاحب بمبئی کے دورانِ قیام میں بھی مطب کرتے تھے اور تحریکِ آزادی میں بھی برابر دلچسپی لے رہے تھے، چنانچہ جب جنگ آزادی کے سرگرم کارکنوں پر حکومت کی نگرانی کڑی ہو گئی اور جاسوسوں کا جال ہر طرف پھیلا دیا گیا تو ایسے وقت میں حکیم صاحب کے مطب کو کانگریس کی خفیہ میٹنگوں اور بلیٹین وغیرہ لکھنے کا مرکز بنا لیا گیا مگر جاسوسوں کی تیز نظروں سے یہ بات بھی چھپی نہیں رہی آپ کا وارنٹ نکلنے ہی والا تھا کہ آپ کو دوسرے ذرائع سے قبل از وقت اطلاع مل گئی اور آپ

مطب وغیرہ چھوڑ چھاڑ کر خفیہ طریقے پر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، اور وہاں سے دلی ہوتے ہوئے اپنے وطن سوات پہنچ گئے۔ پھر جب گرفتار شدگان کی رہائی ہونے لگی، اور تحریک زور پکڑ گئی، تو آپ واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔

حکیم صاحب کو حضرت مولانا آزادؒ سے اس قدر دلی لگاؤ اور بے پناہ عقیدت ہے کہ جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حکیم صاحب کو سیاسی میدان سے دلچسپی پیدا کرنے اور کامیاب طبیب بنانے دونوں ہی میں مولانا آزادؒ کا ہاتھ تھا۔

حکیم صاحب کی مادری زبان افغانی ہونے کے تعلق سے پشتو ہے، حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے مولانا آزادؒ کی تحریروں ہی سے اُردو زبان سیکھی ہے، حضرت مولانا کی ذات والاصفات اور آپ کی گرانقدر تحریرات سے بے پناہ دلچسپی نے حکیم صاحب کو مولانا کا ہمنوا اور ہم خیال بنا دیا اور آپ کے سیاسی عقائد میں ثبات قدمی آگئی۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں کاکناڈا میں کانگریس کا اجلاس ہوا، اس جلسے میں مولانا آزادؒ بھی شریک ہوئے تھے، اور یہیں مولانا سے حکیم صاحب کی پہلی تفصیلی ملاقات ہوئی تھی، اسی ملاقات میں مولانا نے حکیم صاحب کے پیشے کے بارے میں دریافت فرمایا، حکیم صاحب کے طبیب ہونے کی اطلاع سے مولانا بہت خوش ہوئے پھر آپ نے خدمۃ خلق اللہ کا جملہ تین مرتبہ خالص عربی لب ولہجہ میں دہرائے، حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا کا یہ جملہ میری زندگی میں بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

حکیم صاحب فطرتاً گرم مزاج تھے اس پر سے ایام جوانی، مریضوں کے ساتھ ہر قسم کا تشدد اور سختی کا سلوک روا رکھتے تھے، مگر مولانا کے اس جملے نے پتہ نہیں کیا کام کیا کہ بالکل کایا ہی پلٹ گئی۔ بالکل یہی حال کہ ؎

فسا فالاسد تفزع من قواہ ؛ ورق فنحن نفزع ان یذوبا

کہاں تو وہ گرمی اور تشدد کہ مریضوں سے سیدھے منہ بات تک کرنا گوارہ نہیں ہے اور کہاں یہ کہ

ہر کس و ناکس کے سامنے بچھے جارہے ہیں، کمال ہے کہ مرورِ زمانہ کے باوجود آج تک بھی حکیم صاحب کے اس رویے میں کوئی فرق نہیں آیا، مریضوں کے ساتھ ہمدردی اور حسنِ سلوک کی تو مثال نہیں ملتی علماء کرام، ائمۂ مساجد، مؤذنوں اور قومی وملکی خدمت گاروں سے کبھی دوا کی قیمت وصول نہیں کرتے کوئی زبردستی کرکے لینے پر مجبور کردے تو الگ بات ہے۔

حضرت حکیم صاحب کے بارے میں جہاں تک میرے اپنے مشاہدے کا تعلق ہے میں نے یہی نظریہ قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دستِ شفا بخش کر مریضوں کے حق میں مسیحا بناکر بھیجا ہے، اگر آپ دوا کے طور پر صرف خاک بھی دیدیں تو وہی خاک خاکِ شفا بن کر اپنا اثر دکھاتی ہے۔

میں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ آپ نے معمولی معمولی دواؤں سے ایسے ایسے خطرناک مریضوں کا بھی علاج بآسانی کرلیا ہے جنھیں ماہر ڈاکٹروں کے ایک گروپ نے مایوس العلاج قرار دیدیا تھا۔

یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے، انشاء اللہ پھر کسی وقت اس موضوع سے متعلق کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا، بہرحال ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

خدائے تعالیٰ حکیم صاحب کا بابرکت سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔

عربُ دُنیا

اُردو داں طبقہ کی اکثریت کو عرب اور بلادِ عرب سے ایک دلی تعلق ہے مگر خود اُردو میں ان ممالک کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہے، پچھلے سفرنامے اب بہت پرانے ہوچکے، بعد کی اہم چیزیں جن کا اُس وقت وجود نہ تھا یا اتنی اہمیت حاصل نہیں ہوئی تھی ان کی معلومات سے یکسر خالی ہیں، اس کمی کو پورا کرنے کے سلسلے میں مولانا محی الدین الوائی ایم اے (الازہر۔ قاہرہ) کی یہ کوشش یقیناً پسند کی جائیگی، الوائی صاحب نے خلیج فارس سے مراکش تک پھیلے ہوئے تمام عرب ممالک کے عام ملکی جغرافیائی ثقافتی اور معاشرتی حالات، اقتصادیات، اور آج کی رواں تحریکات کا مکمل جائزہ لیا ہے، اخبار بیں حضرات کیلئے ہروقت کی ساتھی، ابتدائی کتاب میں ایک رنگین نقشہ بھی جس سے عرب ممالک کے محل وقوع پر پوری روشنی پڑتی ہے ۲۴۰ صفحات صاف ستھری کتابت وطباعت، قیمت مجلد ایک روپیہ پچاس پیسے۔

مکتبہ برہان، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی

ادبیات

غزل

جناب المؔ مظفر نگری

ہوا کرتے ہیں جس سے لالہ و گُل کے نشاں پیدا
وہی خاکِ چمن کرتی ہے برقِ آشیاں پیدا

کلی سے جس طرح ہوتی ہے بُوئے گلستاں پیدا
یونہی ہوتے ہیں دل سے دل کے اسرارِ نہاں پیدا

محبت میں نہیں ہوتا ہے کیفِ جاوداں پیدا
نہ ہو آہستہ آہستہ جو تاثیرِ فغاں پیدا

میں اپنے قافلے کو کس طرف دیکھوں کہاں ڈھونڈوں
نہ آوازِ جرس ہے اور نہ گردِ کارواں پیدا

جنوں میں جب کوئی سجدہ اسے منظور ہوتا ہے
تو کر لیتی ہے پیشانی مری خود آستاں پیدا

مٹانے سے نہیں مٹتے ہیں آثارِ حیاتِ غم
ہے خاکِ دل کے ہر ذرّے سے دل کی داستاں پیدا

بآغوشِ لحد آرام سے سوؤں گا تا محشر
یہاں ہوگا نہ کوئی مانعِ خوابِ گراں پیدا

رہا کرتے ہیں جلوے آپ کے جس کے تصوّر میں
وہ کر لیتا ہے ہر تصویر کے مُنہ میں زباں پیدا

ہو در پردہ بھی بے پردہ بھی تم بزمِ تماشا میں
یہ ہو معلوم کیسے، ہو کہاں پنہاں کہاں پیدا

زمیں پر جس جگہ ظلم و ستم کا دور ہوتا ہے
وہیں ہوتا ہے اک دن انقلابِ آسماں پیدا

چلو منزل کی جانب اور سامانِ سفر باندھو
المؔ ہونے لگی بانگِ درائے کارواں پیدا

تبصرے

MUSLIM PHILOSOPHY از جناب ایم سعید شیخ، تقطیع متوسط، ضخامت ۲۳۵ صفحات، ٹائپ جلی، قیمت مجلد سات روپیہ اسّی پیسے، پتہ:۔ پاکستان فلاسفکل کانگریس، کلب روڈ، لاہور،

اگرچہ عموماً فلسفہ کا لفظ ایک ایسے محدود معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ علم کلام سے متمیز ہوجاتا ہے لیکن اس کتاب میں فاضل مصنف نے جو گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں۔ فلسفہ سے وہ عام معنی مراد لئے ہیں جس کے تحت فلسفۂ محض اور علم کلام اور تصوف یہاں تک کہ فلسفۂ تاریخ سب زیر بحث آجاتے ہیں، چنانچہ اس کتاب میں پہلے معتزلہ، اشاعرہ، طبقۂ صوفیاء اور اخوان الصفا کی تاریخ اوران کے بنیادی افکار و آراء پر گفتگو کی گئی ہے اور پھر مشاہیر فلاسفۂ اسلام کندی، رازی، فارابی، ابن سینا غزالی، ابن ماجہ، ابن طفیل، ابن رشد، اور ابن خلدون کا الگ الگ تذکرہ کیا گیا ہے، آخر کے دس صفحات میں کتاب کے ہر موضوع بحث سے متعلق منتخب مآخذ کی ایک جامع فہرست ہے جو فلسفہ کے طلباء کے لئے بڑی مفید چیز ہے، کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن جیسا کہ فاضل مصنف نے خود دیباچہ میں اور پروفیسر ام، ام شریف نے مقدمہ میں لکھا ہے یہ کتاب ایک ٹکسٹ بک کی حیثیت رکھتی ہے جس کا مقصد قارئین کو مسلم فلسفہ سے متعارف کرنا ہے اور اس میں شبہ نہیں اس حیثیت سے یہ کتاب بہمہ وجوہ کامیاب ہے اور اس لائق ہے کہ یونیورسٹیوں کے فلسفہ کے نصاب میں شامل کی جائے۔

THE FOUNDETIONS OF THE ARTICLES OF FAITH از نبیہ امین فارسی تقطیع متوسط ضخامت ۱۴۴ صفحات ٹائپ جلی، قیمت مجلد آٹھ روپیہ، پتہ:۔ شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار لاہور۔

امام غزالی کی کتاب احیاءعلوم الدین اسلامی حقائق و معارف کی انسائیکلوپیڈیا ہے جو اہل علم میں